عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

صفر المظفر ۱۴۲۷ھ / مارچ 2006ء

Reg No: P 476

جلد چہارم

شمارہ:۷

فہرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/180 روپے

خط و کتابت کا پتہ : مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس، پشاور

ای میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

اصلاحی مجلس

(مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

مُشتاق کے نام کی مناسبت سے مندرجہ ذیل بیان فرمایا۔

انسان کسی نہ کسی کا مُشتاق ہوا کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام انسان کی مُشتاقی کے غلط رُخ کو پلٹ دیتے ہیں۔ مشتاق بننا ہو۔ تو خدا کے مُشتاق بنو۔ مومن مُشتاق رب ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ جو بندہ اللہ کے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کی ضرورتوں کو دیکھ کر دہش و انعامات کے رُخ سے بڑھتے ہیں۔ انسان چیزوں کا مُشتاق بنتا ہے۔ کہیں دل کی لذت کہیں کھانے کی اور کہیں نگاہ کی لذت پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام ایسا گوشہ بتاتے ہیں۔ جہاں سے ہر ضرورت پوری ہو جائے اور ہر چیز مل جائے۔ کلکتہ میں White Way کا سٹور ہے۔ جہاں سے ہر چیز مل جاتی ہے۔ ڈبل روٹی چاہیئے۔ وہ بھی مل جاتی ہے کپڑا چاہیئے۔ اسی طرح ہر ضرورت کی چیز ایک دوکان سے مل جاتی ہے۔ یا تو یہ کہ انسان ضرورت کے لئے ایک ایک دُوکان کا چکر لگائے یا ایک ہی دُوکان پر ساری چیزیں خریدے۔ اسی طرح انسان ہر ایک سے کٹ کٹا کر ایک خدا کا ہو جائے۔ اور حقیقتاً ایک خدا میں تمام ضرورتوں کا پورا ہونا دیکھے۔ اگر کہیں دوسری جگہ سے پورے ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ تو وہ بھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی پورا کرتے ہیں۔ صرف ظہور دوسری جگہ سے ہوتا ہے۔ جتنی بھی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ یہ سب مظاہر قدرت ہیں مظہر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ چُھپا ہوا ہے۔ وہ نہاں اور باقی سب عیاں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

ے اے خفی الذات محسوس العطاء
انت کا الماء و نحن کالرحاء

انت کا الریح و نحن کا لغبار
یختفی الریح و غبراہ جھار

ترجمہ:اے وہ ذات جو پوشیدہ ہے لیکن اس کی عطاء محسوس ہے! آپ کی مثال پانی کی ہے اور ہماری مثال چکی کی ہے۔(پانی جو چکی کو چلا رہا ہوتا ہے نظر نہیں آتا لیکن چکی چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔) آپ کی مثال ہوا کی ہے جبکہ ہماری مثال غبار کی ہے، ہوا چلتی ہے اور غبار کو اڑاتی ہے۔

تیری مثال ہوا کی ہے اور ہماری مثال غبار کی ہے۔غبار تو دکھائی دیتا ہے۔اور ہوا دکھائی نہیں دیتی۔اگر ہوا نہ ہو تو غبار کہاں ہوگا۔انبیاء علیہم السّلام دُنیا کے دھوکہ کو کھولتے ہیں دُنیا فراڈ ہے۔کہ ظاہر میں ایک جگہ سے دکھائی دیتا ہے۔اور حقیقتاً خدا سے ہوتا ہے۔خدا سے ہونے کا یہ یقین دل میں پیدا ہو جائے تو یہ ایمان ہے۔جب اللہ سے ہماری تمام حاجتیں پوری ہو رہی ہیں۔روٹی اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ بیوی اللہ نے دی ہے۔صحت اللہ نے دی ہے۔اور اللہ کے ہاں ہر چیز بے نہایت ہے۔جب چاہے اور جس وقت چاہے اللہ تمام اسباب کو پیدا فرما دیتے ہیں۔

بس کو چلتا ہوا دیکھا ہوگا۔اگر بس صدر سے یونیورسٹی کی طرف سے آ رہی ہو اور کوئی سائیکل سوار بس کو پکڑ کر ساتھ ساتھ چلے۔تو جتنی رفتار بس کی ہوگی اُتنی ہی رفتار اس سائیکل سوار کی ہوگی۔تو جو خدا کی بات کو مان کر چلتا ہے۔اس کی مثال اس سائیکل سوار کی ہے۔جو بس کو پکڑ کر بس کی سمت میں چل رہا ہے۔لیکن جو خدا کے احکام کو توڑ کر اور اللہ کے احکام کے خلاف چلتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔جو بس کو پکڑ کر بس کی مخالف سمت میں چلتا ہو۔تو جس طرح یہ سائیکل سوار دھڑام سے گرے گا۔اسی طرح اللہ کے احکام کے مخالف چلنے والا اس دُنیا میں بھی نقصان اُٹھائے گا۔اور اُس دُنیا میں بھی۔ پہلی اور بنیادی چیز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا مُشتاق ہو جانا اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہر چیز کو دیکھنا اور اللہ کا ہو کر رہ جانا۔خدا کے در کے ساتھ چمٹ کر اور لپٹ کر اس سے اپنی حاجتوں کو پورا کروانا۔اس حقیقت کا نام ایمان ہے اور یہ ایمان محنت سے آتا ہے۔اور یہ محنت محمد ﷺ نے بتائی ہے۔ایک انفرادی اعمال ہیں اور ایک اجتماعی اعمال ہیں۔اس اُمت کو محمد ﷺ کے صدقے

وہ اعمال دیئے گئے ہیں۔ کہ جن سے تم بھی بنو اور دوسرے بھی بن جائیں۔ اکیلے کھانے والا اچھا ہے یا دس کو کھلانے والا اچھا ہے۔ قوموں کو کھلانے والا تو پھر سب سے اچھا ہے۔ اور یہ کھلانے والا داعی ہے۔ جو خود بھی اللہ تعالیٰ کا مُشتاق ہے اور اوروں کو بھی اللہ تعالیٰ کا مُشتاق بناتا ہے۔

اگر کسی فن میں مہارت حاصل کرنی ہوتی ہے۔ تو اس کے اصول کو جاننا پڑتا ہے۔ اور اس میں اشتغال رکھنا پڑتا ہے۔ اور اس اشتغال کو طبیعت کے چاہنے یا نہ چاہنے پر نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ حصول کی نیت سے اس میں لگا رہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے۔ کہ جو شخص کسی فن کو اصولوں کے ساتھ سیکھتا ہے۔ اور اس میں اشتغال رکھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر اس فن کو کھولتے ہیں۔ اور جب چمٹ کر لگا رہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور دیتا ہے۔ استقامت کی کلید عزیمت ہے کہ کسی عمل کو جی نہ چاہنے پر نہ چھوڑے۔ بلکہ ہمت کر کے اس کو کر دے بلکہ اس کو کر گزرے تو اس سے انسان میں وہ قوت ارادی پیدا ہوگی۔ کہ جس کے آگے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ قوت ارادی کی مضبوطی ممارست عمل (عمل کی پابندی) ہے۔ مبتدی کے لئے ارادہ کی پختگی کے لئے ابتدائی منزل میں آسان طریقہ یہ ہے کہ جب کسی خیر کا ارادہ کرے اس کو مؤخر نہ کرے بلکہ جس وقت کسی خیر کا ارادہ ہو فوراً اس پر عمل کرے۔ تاخیرِ ارادہ سے ضعف پیدا ہوتا ہے۔ شیطان بھی درمیان میں اڑنگا اُڑاتا ہے۔ اور نفس بھی اپنی چلاتا ہے۔ مثال کے طور پر جی نے چاہا کہ دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ تو جائز وقت کے اندر فوراً پڑھ لے۔ تاخیر نہ کرے۔ شیطان کا ایک مکر یہ ہے۔ کہ اول تو نیکی پر آنے نہیں دیتا۔ اور جب کوئی نیکی پر آتا ہے تو اس کو ڈھیل دینے کی کوشش کرتا ہے۔ جب شیطان کسی نیک عمل کے کرنے میں ڈھیل دینے کا وسوسہ ڈالتا ہو۔ تو اس کو کہو کہ تو اپنی طاقت آزما اور ہم اپنی طاقت آزمائیں گے۔ ایسی حالت نہ ہو کہ۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم

باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

ترجمہ: ہر رات کہتا ہوں کل یہ کام چھوڑ دوں گا لیکن جب کل آتا ہے تو آج کو پھر کل کر دیتا ہوں۔

بلکہ معاملہ ایسا ہو جیسے دُوکاندار کا معمول ہوتا ہے کہ آج نقد کل اُدھار۔ ہر روز جب کل آتا ہے دوکاندار کا آج ہی رہتا ہے کبھی کل ہو کے نہیں دیتا۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ کا قول ہے کہ ایک بزرگ استنجا کیلئے تشریف لے گئے۔ خادم بھی ساتھ تھا۔ بیت الخلاء کے اندر سے خادم سے کہا کہ یہ قمیص فلاں سائل کو دے دو۔ بعد میں خادم نے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ بیت الخلاء سے نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ کہا کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہ قمیص فلاں کو دے دو تو ہوسکتا تھا کہ باہر نکلنے کے بعد نیت بدل جاتی۔ اسلئے فوراً عمل کیا۔ کہ بعد میں شیطان کوئی اپنی نہ چلائے۔ دودھ کے پھٹنے، خاوند کے بدلنے اور نیت کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ اور دوسری بات یہ تھی۔ کہ اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ میں بیت الخلاء سے باہر زندہ نکل سکونگا۔ اپنے ہاتھ کا مُٹھی بھر دیا ہوا۔ مرنے کے بعد پہاڑ کے برابر دینے سے بہتر ہے۔ نفسیات کے لحاظ سے بھی یہ بات ہے کہ قوت عمل کے حصول کے لئے ارادہ کی پختگی کی ضرورت ہے۔ ورنہ ارادہ کو مؤخر کرتے چلے جاؤ گے۔ تو ارادہ میں دیمک لگ جائے گا۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے جو صفات رکھی ہیں۔ ہر صفت اپنے رُخ پر عمل کرتی ہے۔

نفس کی مثال دودھ پیتے بچہ کی سی ہے۔ جس طرح بچہ کو ماں زبردستی دودھ سے نہ چھڑائے وہ دودھ پینا بند نہیں کرتا۔ اسی طرح انسان عمل پر بغیر عزیمت کے نہیں پڑتا۔ انسان کا نیکی کا پختہ ارادہ کرنے پر توفیقات الٰہی کا دروازہ کُھل جاتا ہے۔ جب آپ پختہ ارادہ کریں گے تو ارادہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو جائے گی۔ شر کا ارادہ کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رضا شامل حال نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کو پکڑ کر اس شر کے کرنے سے روکے گا بھی نہیں۔ کیونکہ پھر خیر و شر کی حکمت کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. (الكهف: ۲۹)

ترجمہ: پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی نہ چاہے نہ مانے۔

اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں کرتے لیکن جب کوئی خود اپنی رضا سے کافر ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی کہتے ہیں۔ جاؤ اپنا سر کھاؤ۔ ارادہ وہ چیز ہے جس کا انسان کو مکلّف بنایا گیا ہے۔ جب انسان ارادہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ عطا کے دروازے کو کھولتا ہے۔ ارادہ میں پختگی پیدا کرو۔ جب ارادہ خیر کا ہو۔ اس میں دیری نہ کرو۔

''در کار خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست'

اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کا نام استخارہ ہے۔ تو جب خیر ہی کر رہا ہے۔ تو اس میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت زین العابدینؒ بہت بڑے سخی تھے۔ بہت جواد تھے۔ سادات کی صفت ہی جود وسخا ہے۔ اُنہوں نے کسی کی دعوت کی اور بہت کچھ سامانِ خوراک تیار کیا۔ اس آدمی نے کہا کہ لا خیر فی الاسراف: کہ اسراف میں کوئی خیر و نیکی نہیں۔ حضرت نے اس کا جواب یوں دیا۔ کہ لا اسراف فی الخیر۔ کہ نیکی کرنے میں اسراف ہی نہیں۔ جتنی زیادہ نیکی ہو۔ اُتنا ہی اچھا ہے۔

پختگی کی بنا پر اللہ کی توفیقات مُیسر آتی ہیں۔ اگر راستہ سے کوئی ایذا کی چیز ہٹا سکتے ہو۔ اس کو بھی ہٹاؤ۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو معمولی نہ سمجھو۔ اور نہ چھوٹے سے چھوٹے گُناہ کو معمولی جانو۔ پیسے پر پیسے جمع کرتے جاؤ گے۔ تو مالدار ہو جاؤ گے۔ پتھر پر پتھر رکھو گے۔ تو عمارت بن جائے گی۔ نیکی پر نیکی کرو گے۔ تو متقی ہو جاؤ گے۔ اسی طرح ارادہ پختہ کرنے کے بعد اس میں سستی نہ ہو۔ اگر اس میں سستی آنے لگے تو سستی کا علاج چستی ہے۔ مثلاً فجر کی نماز کے لئے اُٹھنا ہے۔ شیطان خوب محنت کرتا ہے۔ کہ سوتے رہو۔ رات بہت لمبی ہے۔ ابھی فجر ہونے میں کافی وقت باقی ہے۔ اسی طرح شیطان فجر کی نماز قضا کرا دیتا ہے۔ اقبال کہتا ہے۔

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

طبع آزاد پہ قیدِ رمضان بھاری ہے　　　تم ہی کہہ دو یہی آئینِ وفاداری ہے؟

فجر کے وقت فوراً کود پڑو۔ اچھل پڑو۔ ایک دفعہ جب سستی ہو جاتی ہے۔ تو یہ سستی سستی کو کھینچتی ہے اور چستی چستی کو کھینچتی ہے۔ غفلت پختہ ہوتے ہوتے آخر توفیقِ خیر سلب ہو جاتی ہے۔ ایک دن سستی ہو گئی۔ ندامت کے آنسو بہ گئے۔ تو اس ندامت قلبی سے شیطان کا پیچھا چھوٹے گا۔ شیطان یہ نہیں چاہتا کہ تم نیک بن جاؤ اگر تم نیکی پر جمے ہوئے ہو۔ تو بڑی نیکی سے چھوٹی نیکی پر لانے کی کوشش کرے گا۔

حضرت امیر معاویہؓ ایک رات سوئے ہوئے تھے۔ کہ تہجد کے وقت کسی نے پاؤں ہلائے کہ امیر المؤمنین اُٹھیئے۔ تہجد کا وقت ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ بہت زیرک تھے فوراً ہاتھ پکڑ لیا کہا۔ کہ کون ہو؟ اس نے کہا کہ خادم ہوں۔ فرمایا۔ کہ ٹھیک بتا۔ تو یہاں تک کیسے پہنچا؟ آخر جب خوب تنگ کیا تو کہا کہ میں ابلیس ہوں۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ تیرا نماز پڑھوانے کے ساتھ کیا تعلق؟ کہا کہ تو امیر المؤمنین ہے میں نے یہ گوارا نہیں کیا۔ کہ تیری تہجد کی نماز قضا ہو جائے۔ کہا کہ سچ سچ بتاؤ۔ کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی۔ کہا کہ پچھلی رات جو تیری تہجد قضا ہو گئی تھی۔ اور اس پر جو ندامت اور پشیمانی تم کو ہوئی۔ اس کا ثواب تہجد کے پڑھنے سے کئی گُنا زیادہ مل گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس رات پھر تہجد قضا ہو گئی۔ تو مزید ندامت اور پشیمانی کی وجہ سے پھر بہت زیادہ ثواب ملے گا۔ اس لئے آپ کو اُٹھایا کہ تہجد میں اس ثواب سے جو نہ پڑھنے کی اور ندامت کی وجہ سے آپ کو ملتا کم ثواب مل جائے گا۔ شیطان کا کام پتنگ کے کاٹنے کی طرح ہے۔ جیسے پتنگ کو کاٹتے ہیں پھر اس کو پکڑتے ہیں۔ ایک ہاتھ مارتا ہے دوسرا ہاتھ مارتا ہے۔ پتنگ پھٹ جاتی ہے۔ اور کسی کے کام نہیں آتی۔ یہی حال شیطان کا ہے اولاً تو نیکی کرنے نہیں دیتا۔ اور کوئی کرنے لگ جاتا ہے۔ تو اُس کو خراب کر دیتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ تم مکہ کے اس بوڑھی عورت کی طرح نہ ہو جا۔ کہ سارا دن سوت کاتتی تھی۔ اور رات کو اس کو کاٹ دیتی تھی۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا: مال کے مقابلہ میں کمال کو ترجیح ہے۔ کیونکہ کمال صفتِ متصل (ملا ہوا) ہے اور مال ایک منفصل (الگ) شے ہے، اگر چور لے گئے تو پھر ختم۔ (اشرف اللطائف)

شریعت رحمت ھے (حصہ اوّل)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم خلیفہ مجاز مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

انسان کے اندر ایک ادارہ عقل ہے ایک ادارہ اس کے بشری تقاضوں کے تحت جذبات ہیں، عقل اور جذبہ میں کیا فرق ہے؟ عقل وہ چیز ہے جو انسان کے بشری تقاضوں سے اوپر ہو کر کسی بات کے بارے میں اُسکا اچھا بُرا معلوم کرتی ہے، اپنی رائے اور مشورہ دیتی ہے۔ یہ ترتیب عقل اور سوچ کا دائرہ عمل ہے اور انسان کے بدن کے کسی تقاضے کے اطمینان کے لیے جو ہیجان پیدا ہوتا ہے وہ جذبہ ہے۔ غصہ جذبہ ہے، حرص جذبہ ہے اور جنسی خواہش جذبہ ہے۔ جذباتی ہیجان جب پیدا ہوتا ہے تو سوچ کو تیز کر دیتا ہے یا سوچ کو مغلوب کر دیتا ہے یا سوچ کے فیصلوں کو بدل دیتا ہے۔ جذبہ عارضی ہوتا ہے۔ انسان کے دائمی اور حقیقی فائدے کے مطابق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا عقل مغلوب ہو کر جذبے کے تحت فیصلہ کرلے تو آدمی کو بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔ ہمارے پٹھانوں کے اندر جو ذرا ذرا سی بات پر قتل کرنے کا رواج ہے غصہ کے جذبہ کے تحت ہی تو ہے۔ چند روز پہلے قصبہ بڈھ بیر کی ایک مسجد میں رمضان کی مٹھائی کی تقسیم پر چار قتل ہو گئے جذبۂ غضب اور غصہ کو مطمئن کرنے کے لیے۔ اس سے چار خاندانوں کی آنے والی بیس پچیس سال کی زندگی آگ میں چلی گئی۔ ایک دفعہ بنوں میں تبلیغ والوں کا اجتماع ہو رہا تھا وہاں سے آگے میر علی ہے۔ میر علی کے انجنیئر حاجی عبدالقدوس صاحب نے حضرت مولانا صاحبؒ کی دعوت کی۔ وہاں پر ہم گئے تو انکے باقی ملازم بھی تھے ایک نوکر جو تھا اسکا بُرا حال تھا، ماتھے اور چہرے پر پریشانی، بُرے حال میں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ مفرور ہے قتل کر کے مفرور ہوا ہے، ان لوگوں کو جیسے بھی رکھیں ان کی مجبوری ہے رہنے کی، سر چھپانے کی جگہ ملی ہوئی ہے، کھانا ملتا ہے، کپڑا ملتا ہے اب ایک منٹ جذبے کے تحت استعمال ہو گیا، سوچ کو چھوڑ کر، یہ اسکا نتیجہ ہے۔ جذبے کو اللہ نے رکھا انسان کے اندر۔ اس کے اپنے کام ہیں، مقاصد ہیں وہ اس میں استعمال ہو تو انسان کیلئے مفید ہے۔ آگ کتنی خطرناک چیز ہے بجلی کتنی خطرناک چیز ہے لیکن دونوں کو گھر کے اندر رکھا جاتا ہے۔ چارسدہ کے دوآبہ کے علاقے میں بجلی آئی تو بڑے بوڑھوں کو پتہ چلا کہ اس سے آدمی مرتا ہے تو اُنہوں نے کہا کہ بس اتنی بجلی ہمارے لیے چھوڑو گے کہ جس سے آدمی نہ مرتا ہو۔ شروع میں اتنی بجلی تھی کہ سو واٹ کے بلب سے چراغ جتنی روشنی نکلتی تھی۔ پھر بعد میں فریج وغیرہ جو لگے تو لوگوں نے کہا کہ ہماری بجلی کمزور ہے تو بجلی والوں

نے کہا کہ اس سے زیادہ بجلی تو آدمی کو پکڑ لیتی ہے تو انہوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو زیادہ بجلی دے دیں۔ کتنی خطرناک چیز ہے بجلی، کتنی خطرناک چیز ہے آگ لیکن گھر میں ہم رکھتے ہیں کیونکہ انکے ساتھ انسان کے بہت اہم مفادات لگے ہوئے ہیں۔ یہ اہم مفادات اس آگ سے، اس بجلی سے حاصل کرنے کے لیے کچھ ہدایات ہیں کچھ احتیاطیں ہیں، ان ہدایات کو ان احتیاطوں کو لے کر اسکو گھر کے اندر رکھنا ہے، جلانا ہے اس سے کام لینے ہیں، فوائد لینے ہیں اور نقصانات سے بچنے کے طریقے ہیں تو ایسے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر غضب، شہوت اور حرص کا جذبہ رکھا جن کے تحت انسان کام کرتا ہے اور یہ کام کرنے کی اسکے اندر (Force) طاقت ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است ؎

کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

دنیا کی شہوت کی مثال انگیٹھی کی سی ہے جس سے تقویٰ کا حمام گرم ہوتا ہے آگ جلتی ہے، تب حمام گرم ہوتا ہے، پانی گرم ہوتا ہے، آپ اسکو استعمال کرکے اسکی سہولت کو لیتے ہیں، اگر نہ آگ جلے، نہ پانی گرم ہو نہ سہولت ملے۔ کوئی کہے کہ آگ تو جلاتی ہے لہٰذا ہم اپنے میں گھر آگ نہیں چھوڑیں گے تو زندگی ہی ناممکن ہو جائے گی۔ ڈاکٹر خورشید صاحب نے لطیفہ سنایا تھا بڑا اچھا، وہ آگ کے بارے میں تھا۔ کوئی آدمی تبلیغی جماعت کے ساتھ چار ماہ لگا کہ آیا جہنم کی آگ کے خوف کے تصور سے اس پر اثر ہو گیا، تو اُس نے کہا کہ گھر میں آگ نہیں چھوڑیں گے بیچارہ مینٹل ہو گیا، کسی کو آگ جلانے نہیں دیتا تھا۔ تو سمجھدار، ہوشیار لوگوں سے، ڈاکٹروں سے، سائیکاٹری والوں سے، نفسیات والوں سے، اسکا علاج پوچھا۔ کسی سمجھدار آدمی نے کہا کہ ایک وقت دو وقت اسکو کھانا نہ دو، پوچھے گا کہ کھانا کیوں نہیں پکا ہے تو کہیں کہ کھانا تو آگ سے پکتا ہے۔ پھر اسکو سمجھ آجائے گی، یہ اسکا علاج ہے۔ عام طور پر انسان جذبات کے تحت استعمال ہوتے ہیں۔ حاجی ہے آفسر ہے پروفیسر ہے، پی ایچ ڈی ہے، کچھ بھی ہے بجائے عقل کے جذبے کے تحت استعمال ہو رہا ہے۔ ہمارے واقفوں میں سے ایک آدمی نے اپنے اکلوتے بیٹے کو بھیجا انجینئرنگ پڑھنے کے لیے امریکہ تاکہ یہاں کی برادری سے دور ہو محفوظ رہے، انجینئرنگ پڑھ کر وہ آیا۔ اسکی کسی اپنی چچازاد سے منگنی ہوئی تھی، اس نے آکر شادی سے انکار کر دیا۔ کیونکہ باہر کی تہذیب کا جدا حال ہوتا ہے، ابھی برطانیہ میں میں اکیس دن گزار کے آیا تو مجھے یہ تجربہ ہوا کہ انکے اندر کوئی نباہ کا تصور ہی نہیں ہے۔ تہذیب ہی جدا ہے۔ وہ لڑکا یہاں آیا اس نے انکار کر دیا تو اسکے

چچازادوں میں سے ایک فوج میں میجر اور ر ایک CSS آفسر، ان دونوں نے ملک حیات آباد کے پاس اسکو قتل کردیا، سوچنے کے بات ہے وہ قتل کرکے مفرور ہوگئے۔ اب بتایئے اس فوجی افسر کی شخصیت اور CSS افسر کی شخصیت کہ اتنی اعلیٰ تربیت سے گزرنے کے باوجود ان کی جاہلانہ غیرت جسے خود پشتو کے محاورہ میں پشتو نیم کفر کے طور پر یاد کیا جاتا ہے کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ ایک دفعہ ہمارے واقفوں میں پشاور بورڈ کے کنٹرولر ایگزامینیشن اسلم صاحب کا بھائی قتل ہوگیا۔ ڈاکٹر سیار صاحب تیسرے دن وہاں فاتحے کے لئے گیا، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اب تو قتل ہوگیا ہے قانونی دعویٰ آپ نے کیا ہوا ہے قانونی چارہ وجوئی ہو رہی ہے وہ کیس چلتا رہے اور باقی جو آپکی ذمہ داریاں ہیں اسکے بال بچوں کو سنبھالنا، کیس کی پیروی کرنا وہ آپ کرتے رہیں۔ اسلم صاحب نے کہا کہ (یا ڈاکٹر صاحبہ تا خوزما کپرَئی یخہ کڑہ) تم نے تو میری کھوپڑی کو ٹھنڈا کیا، اتنے دنوں سے جو میرے پاس آرہے ہیں وہ تو مجھے ایسا گرم کررہے ہیں کہ (بدل دے ولے نہ دے اخستے) تو نے بدلہ کیوں نہیں لیا۔ اس نے کہا کہ آپ نے تو میری کھوپڑی ٹھنڈی کردی مجھے تو تین دنوں سے آکر لوگ یہ سبق پڑھا رہے ہیں یہ سبق سنا رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک آسان دانشوری دی ہوئی ہے نہ اس کے بارے میں کوئی کلاس لینے کی ضرورت ہے نہ جج ہونے کی ضرورت ہے اور نہ فسلفہ، نفسیات پڑھنے کی ضرورت ہے کیا چیز ہے آسان سے آسان دانشوری وہ شریعت ہے۔ سب سے آسان دانشوری شریعت ہے آنکھیں بند کرکے شریعت کے احکام کے پیچھے چلتے جاؤ۔ آپ محفوظ ہیں، مسئلے آپ کے سارے حل ہیں،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

(المائدۃ، آیت ۳)

ترجمہ: آج میں پورا کرچکا تمھارے لئے دین تمھارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے اسلام کو دین۔ (تفسیرِ عثمانی)

آج کے دن میں نے تمھارے لیے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت کو پورا کردیا، نعمت دے دی، سبحان اللہ ایک ایک بات پر شریعت نے بحث کی ہوئی ہے ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے، وہ فرماتے تھے کہ پیسے لو تو گن کرلو اور دو تو گن کردو، گن کردو تو اس نیت سے کہ کہیں کم نہ دے دو اور جب گن کرلو تو اس نیت سے کہ زیادہ نہ لے لو، تو دونوں کو اتنی بڑی خیر کا ثواب ہوا، ہم تو گن کردیتے ہیں کہ کہیں زیادہ نہ دے دیں اور لینے والا گنتا ہے کہ کہیں کم نہ لے لیں، دونوں

بدگمانی کی ترتیب کو لیکر چل رہے ہیں، دونوں کی یہ نیت ہو کہ گن کر دے کہیں میں کم نہ دے دوں کہ میرے مسلمان بھائی کو نقصان نہ ہو جائے اور وہ گن کر لے کہ میرے مسلمان بھائی کو نقصان نہ ہو جائے، اتنی معمولی جزئیات تک جس شریعت نے تبصرے کیے ہوئے ہوں، زندگی کی ایک ایک چیز پر تبصرہ کیا ہوا ہو اُس شریعت کے کیا کہنے۔ طلاق ہی کو لیجیئے۔ طلاق غصے کے اظہار کا ذریعہ نہیں۔ شریعت نے طلاق تو ازدواجی زندگی کو منقطع کرنے کے لئے ایک سہولت دی ہے۔ عورت حالتِ حیض میں ہو اسکو طلاق نہیں دے سکتے کیونکہ اس وقت تو آپ اُس سے نفع لینے کی حالت میں ہی نہیں، اسکی قدر ہی آپ کے دل میں نہیں، وہ پاک ہوگئی، اس سے ملے نہیں پھر بھی طلاق نہیں دے سکتے کیونکہ ابھی تو اس کے فوائد کا آپ کو احساس ہی نہیں، حالتِ طُہر میں بعد ملنے کے اب آپ سوچیں کہ آیا اس کے اور آپ کے درمیان تعلقات اس حد تک خراب ہیں کہ بالکل نہیں نبھ سکتے، تو اب بیشک آپ اسکو ایک طلاق دے دیں، ایک طلاق دینے کے بعد شریعت نے آپ کو کم از کم پینتالیس (۴۵) دن اور زیادہ سے زیادہ تریسٹھ (۶۳) دن سوچنے کے لیے دیئے ہوئے ہیں۔ عدت کی مدت تین حیض ہے۔ اگر پندرہ دن کے بعد عورت کا حیض آرہا ہو تو تین حیض اس کے پینتالیس دن میں پورے ہوئے اگر اکیس دن کے بعد آتا ہے تو وہ تریسٹھ دن میں پورے ہونگے، تو آپ کے پاس تریسٹھ دن سوچنے کے باقی ہیں، اس میں آپ سوچیں گے، برادری والے سوچیں گے، ہر ایک آدمی سوچے گا، یہاں تک کہ آپ کسی ایسے عملی نتیجے پر پہنچ جائینگے جسے آپ اپنے مستقبل کے لیے اختیار کریں گے۔ ایک طلاق کے بعد کم از کم دو مہینوں تک اس رشتے کو رجوع کر کے بغیر دوبارہ نکاح کیئے ہوئے بحال کرنے کی گنجائش ہے۔ تو کتنی بڑی نعمت ورحمت ہے۔ یاد ہوگا آپ کو جس وقت ضیاء الحق کے زمانے میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ بڑھا، تو یار لوگوں نے شریعت کو سبوتاژ کرنے کے لئے، ڈرائیور سے اگر آدمی مارا جائے تو اُس کے ذمہ دیت ہے اس قانون کا ہَوّا چھوڑا، اور سارے پاکستان کے ڈرائیوروں سے ہڑتال کرادی اِس قانون کے خلاف۔ جو اسلامی قانون پر تنقید کرے اُس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے، بیوی طلاق ہو جاتی ہے، حج کیا تھا باطل ہو جاتا ہے۔ دوبارہ نکاح کریگا، کلمہ پڑھ کر، حج دوبارہ کریگا، پچھلا حج چلا گیا ختم ہو گیا، جتنی نمازیں پڑھیں تھیں، روزے رکھے تھے، ختم ہو گئے، باطل ہو گئے، اور حج چونکہ پھر فرض ہو جاتا ہے آدمی پر اگر مالدار ہے تو پھر کرنا پڑتا ہے، اور چونکہ اس کا پہلا عمل باطل ہو گیا تو نماز روزے کی دُہرائی نہیں ہے کیونکہ وہاں سے تو بات کٹ گئی، حج بھی اس لیے کرتے ہیں کہ دوبارہ فرض ہو گیا، اب دوبارہ مالدار نہیں ہے تو اس پر فرض نہیں ہے۔ اب ان یاروں کو ان

مشکلات کا پتہ نہیں تھا۔ ان دنوں ہمارے ذہن میں بھی یہ آیا کہ یا اللہ اتنا بڑا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ یا اللہ یہ ایک ڈرائیور ہے غریب آدمی ہے۔ اس سے قتل ہو گیا ہے، کم از کم دیت سو (۱۰۰) اونٹ ہیں۔ سو اُونٹ یہ کہاں سے دے گا، میرا خیال تھا کہ کسی ماہر عالم سے پوچھا جائے، مفتی غلام الرحمٰن صاحب سے میں نے پوچھا اُنھوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب شریعت تو نا قابل عمل چیز نہیں ہے لوگ اس کو سمجھے نہیں ہیں۔ قانون میں دیت آدمی کے عاقلہ پر آتی ہے انھوں نے فقہ کا لفظ استعمال کیا ''عاقلہ'' میں نے کہا عاقلہ کسے کہتے ہے؟ اُنھوں نے کہا عاقلہ کہتے ہیں کہ اس کے سارے خاندان کو۔ اگر وہ نہیں دے سکتا تو اس کا باپ، بھائی، بہنیں، ماموں، چچا، خالہ، پھوپھی، جتنا خاندان ہے وہ سب مل کر دیں۔ اور اگر ایسے بھی نہیں ہو سکتا تو عاقلہ کا ایک دوسرا تصور بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سارے سکولوں کے ٹیچرز ایک عاقلہ ہے، سارے کالجوں کے لیکچررز ایک عاقلہ ہے، سارے ڈاکٹر ایک عاقلہ ہے، سارے چپڑاسی ایک عاقلہ ہے۔ بلکہ ٹرک ڈرائیوروں کا، بس ڈرائیوروں کا، ٹیکسی ڈرائیوروں کا ایک الگ الگ عاقلہ بنایا جا سکتا ہے۔ اب جب عاقلہ پر وہ دیت آئے گی تو سارے مل کر اس ڈرائیور کو لعن طعن کریں گے نصیحت کریں گے اور آئندہ محتاط رہنے کی تلقین کریں گے۔ مثلاً کسی سکول ٹیچر کی گاڑی سے آدمی مارا گیا اُس مہینے پورے صوبے کے پچیس ہزار اساتذہ کی تنخواہ سے دس دس روپے کاٹے گئے تو سب پوچھیں گے کہ یہ کیوں کاٹے گئے تو اُنہیں بتایا جائے گا کہ تمھاری عاقلہ کے فلاں ممبر کی کارستانی کی وجہ سے۔ اب یہ سارا عاقلہ پورے ایک مہینے تک اس منچلے کو احتیاط کا درس دیتا رہے گا۔ اب بتائیے یہ ترتیب کتنی زیادہ عملی اور کتنی زیادہ اصلاحی ہے۔ شریعت تو رحمت ہے وہ اس کے ذریعے سے سارے معاشرے کی تربیت کرنا چاہتی ہے کہ سارے معاشرے میں چرچا ہو اس بات کا، یہ شرعی جرم ہے، اور اس کی یہ سزا ہے ہوتی ہے، اس پر یہ پکڑ ہوتی ہے، سعودی عرب میں سعودی آدمی بھیک نہیں مانگتا، سعودی آدمی کھڑا ہو گا، بھیک مانگنے کے لیے تو کہے گا کہ اے لوگوں میری ٹیکسی کا حادثہ ہو گیا تھا، مجھ سے آدمی مارا گیا تھا، اور میرے پاس پیسے نہیں ہیں، میں اس کے لیے چندہ جمع کر رہا ہوں، میرا لائسنس بند ہے، میں ڈرائیونگ نہیں کر سکتا۔ لوگ اُسکو پیسے دیتے ہیں، پھر یہ جا کر پیسے ادا کرتا ہے اور اس کا لائسنس آزاد ہو جاتا ہے، کتنی بڑی تربیت ہے۔ کتنی بڑی رحمت ہوئی شریعت۔ تو میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ سب سے آسان دانشوری جس میں کسی فلسفے منطق کی اور نفسیات کی ضرورت ہی نہیں ہے وہ شریعت ہے، آنکھیں بند کر کے عمل کیے جاؤ، ہر جگہ محفوظ ہو، ہر مسئلہ حل ہے، ہر چیز آسان ہے۔ (باقی آئندہ)

اسلام آباد میں پندرہ روزہ تعلیمی تربیتی کورس

(ڈاکٹر قیصر علی خان، پروفیسر انجنیئر نگ یونیورسٹی، پشاور)

چند مہینے پہلے اسلام آباد میں ایک پندرہ روزہ تعلیمی ورکشاپ میں شرکت ہوئی۔ جس میں بندہ کو ملک کے مایہ ناز پروفیسروں کو دیکھنے سننے کا موقع ملا۔ ورکشاپ کا انعقاد اعلیٰ تعلیمی کمیشن (Higher Education Commission) نے کیا تھا۔ ورکشاپ میں جو موضوعات زیر بحث رہے اُن میں Educational Psychology, Curriculum Development, Research Methodology اور Teaching Skills شامل تھیں۔

Educational Psychology کی پروفیسر محترمہ فاطمہ جعفری نے اپنے لیکچرز میں نہایت باریک نفسیاتی نکتوں پر بحث کی، محترمہ نے فرمایا کہ امریکہ کی ایک معیاری یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اپنی ۳۵ سالہ ریسرچ کی بنیاد پر ایک نئی تھیوری پیش کی ہے۔ جس کو اُس نے Emotional Intelligence کا نام دیا ہے۔ موصوف نے اپنی ریسرچ نرسری کے بچوں پر شروع کی اور اُن کے حرکات وسکنات اور جذبات کا ہائی سکول، کالج، یونیورسٹی اور پھر عملی میدان میں قدم رکھنے تک مشاہدہ کرتا رہا۔ اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ میں نے ۵ سال کے بچوں کو سکول کے کمرے میں بٹھایا اوران کے سامنے بہت سارے چاکلیٹ رکھے۔ پھر میں نے اُن سے کہا کہ جو بچے ابھی چاکلیٹ لینا چاہتے ہیں تو ایک ایک لے لیں اور اگر ایک گھنٹہ صبر کر لیں تو اُن کو دو چاکلیٹ ملیں گے۔ تو اُن میں سے صرف چند نے صبر کیا اور باقی نے ایک ایک چاکلیٹ لیا۔ میں ان بچوں کا مختلف موقعوں پر مشاہدہ کرتا رہا، اور اُن کو نفسیاتی امتحانوں میں ڈال کر اُن کے ردعمل نوٹ کرتا رہتا، ان میں سے جو بچے اپنے غصے کو قابو کرنے والے، صبر سے کام لینے والے، سچ بولنے والے، خدمت خلق کرنے والے اور اپنے مدِ مقابل کو باوجود اُس پر قدرت کے معاف کرنے والے تھے۔ ان بچوں نے بڑے ہو کر حیران کن کامیابیاں حاصل کیں۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ تعلیمی قابلیت یعنی Academic Intelligence جس کو Intelligence Quotient (IQ) کہتے ہیں۔ اور اس IQ کو باقاعدہ ناپنے کے اصول ہیں، زندگی میں کامیابیاں حاصل کرنے کا واحد ذریعہ نہیں۔ کیونکہ بہت اونچے درجے کے IQ رکھنے والے اکثر طلباء نے جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو نامناسب جذباتی رویے کی بناء پر اُنکو بے حد مشکلات کا سامنا پڑا۔ اس لیے میں نے اپنی اس تحقیق

کی بنیاد پر **Emotional Intelligence** یعنی جذبات کی قابلیت کا نظریہ پیش کیا۔ اگر ایک انسان کا IQ اوسط درجہ بھی ہو لیکن وہ اپنے منفی جذبات کو قابو کر کے اُس کا رخ مثبت جانب کو موڑ سکتا ہو۔ تو یہ بندہ زندگی میں بہت اونچے IQ والے سے زیادہ کامیابیاں حاصل کرے گا۔ اس لیے میں IQ کے ساتھ EQ کو بھی ضروری قرار دیتا ہوں۔ تعلیمی قابلیت کے ساتھ جذبات کی قابلیت بھی ضروری ہے۔ اور جذبات کی قابلیت منفی جذبات پر قابو رکھنا ہے۔ محترمہ نے امریکی پروفیسر کے نظریے کو مختلف مثالوں سے واضح کرتے ہوئے کہا، کہ امتحان کے دنوں میں جبکہ عام بچے کھیل کود میں لگے ہوتے ہیں پوزیشن والے بچے پڑھائی کرتے ہیں یہ بچے اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہیں تو پھر پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔ تو جس طرح جذبات کی قربانی دیئے بغیر دنیا میں مقام حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ہمارے جذبات کا امتحان لے رہا ہے۔ محترمہ نے مزید فرمایا کہ یہ چیز بعض لوگوں میں پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہیں۔ اور اس کو تربیت سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مگر صرف کتابیں پڑھ لینے سے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جب بندہ تربیت شدہ اساتذہ کے پاس عرصہ دراز تک رہتا ہے تو اُس کو یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ کہ یہ باتیں تو ہمارے حکیم الامّت مجدد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھی ہیں۔ تو محترمہ نے فرمایا کہ میں نے تھانوی صاحب کے **Counselling** (نفسیاتی مسائل کے علاج کے لیے جو مشورے دیئے جاتے ہیں)، کے طریقہ کار پر جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب، جو پچھلے ۵۰ برس سے آسٹریلیا میں مقیم ہیں، کے ساتھ مل کر کافی عرصہ تک کام کیا ہے۔ اور میں نے اُن کے طریقہ علاج سے کافی استفادہ کیا ہے۔ محترمہ نے یہ بھی فرمایا کہ EI یا جذباتی قابلیت کا امتحان، تعلیمی قابلیت کی طرح کاغذ پر سوالات لکھ کر نہیں کیا جاتا ہے بلکہ طالب علم کو مختلف قسم کے حالات سے دوچار کر کے اُس کا ردعمل دیکھا جاتا ہے۔ مزید فرمایا کہ ہر انسان کے جذبات کو اُبھارنے والے محرکات ایک جیسے نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر امریکہ میں کسی کو ماں بہن کی گالی دیں تو اُس پر اثر ہی نہیں ہوگا لیکن یہاں اس کا شدید ردعمل متوقع ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امتحانات علاقے کے عوام کی نفسیات کو دیکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ انسان کا ذہن اپنے ماحول سے متاثر ہو کر دماغ میں ایک ردعمل کا ایک ذخیرہ بنا لیتا ہے (**Reaction Data Base**)۔ اس ذخیرہ میں سے کچھ چیزیں موروثی ہوتی ہیں جب انسان کوئی بات سنتا ہے۔ تو اُس کا دماغ فوری طور پر اپنے معلوماتی ذخیرہ میں موجود ریکارڈ سے اُس کا موازنہ کرتا ہے۔ اور پھر اُس کے مطابق ردعمل کرتا ہے اسی لمحے اُس کا بدن مختلف ہارمونز

(رطوبتیں) خارج کرتا ہے۔ اور اسکو ردعمل کے لیے تیار کر لیتا ہے۔ تقریباً اسی قسم کی باتیں ہم نے اپنے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ العالی سے بھی سنی ہیں جس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں کہ انسان کے بدن میں یہ ہارمونز ایک چھپا خزانہ ہوتے ہیں اور اسکی ایک مقررہ مقدار ہوتی ہے اس کے بار بار استعمال سے یہ خزانہ جلد خالی ہو جاتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان مختلف بیماریوں جیسے بلڈ پریشر، شوگر اور دل کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ہارمونز اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسکی زندگی کے دوران خاص مواقع پر بدن کو زائد طاقت مہیا کرنے کے لئے دیئے ہیں۔ جذباتی لوگ اس کے زیادہ استعمال سے بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ Emotional Intelligence، جذبات کی قابلیت والے لوگ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر اس خزانے کو محفوظ رکھتے ہیں اور نہایت اشد ضرورت کے وقت ہی اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح سے اُن کے اعصاب شدید ذہنی دباؤ کے وقت بھی کام کرتے ہیں۔ اور مشکل حالات کے وقت اُن کے ذہنی ارتکاز یعنی Concentration کو برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ایسے موقعوں پر بھی صحیح فیصلے کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہی ان لوگوں کی سب سے بڑی خصوصیت ہوتی ہے۔

محترمہ نے ایک موقع پر Teacher Expectation یعنی اُستاد کی اپنے شاگردوں سے توقعات پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ شاگردوں کی کارکردگی اور صلاحیت کی بنیاد پر اُستاد اُن سے خاص توقعات وابستہ کرتے ہیں۔ اس طرح سے قابل شاگردوں سے اُستاد کو زیادہ توقعات ہوتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے اُن کو وہ زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ مزید ترقی کرتے ہیں۔ اگر شاگرد اپنے اُستاد کی توقعات کے مطابق جو کہ اُس کی سابقہ کارکردگی کی بنیاد پر اُستاد نے اُس سے وابستہ کی ہوتی ہیں پورا نہیں اُترتا۔ تو آہستہ آہستہ اُستاد بھی اُسے نظر انداز کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ شاگرد کا زوال ہوتا ہے۔ اسی طرح کمزور شاگردوں کی طرف بھی اُستاد کی توجہ نہیں ہوتی۔ ماہرین لکھتے ہیں۔ کہ اگر قابل طلباء کو کمزور طلباء میں منتشر کر کے بٹھایا جائے تو کمزور طلباء کی ترقی ہو سکتی ہے۔ اسطرح اُستاد کو بھی چاہیے کہ اپنے کمزور شاگردوں کی بھی حوصلہ افزائی کرتا رہے۔ اور اُن کی حوصلہ شکنی نہ کرے۔ خاص طور پر دوسرے طلباء کے سامنے اُس کی کمزوریوں کا ذکر نہ کرے۔ اور نہ ہی ان کو ڈانٹے۔ اس سے طالب علم پر منفی اثر ہو کر اس کے مزید خرابی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں محترمہ نے فرمایا کہ بعض لوگ پیراسائیٹ شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ ہر کام دوسروں کے حوالے کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بار بار اُستاد کے پاس آ کر اپنا کام بھی اُستاد سے کروانے کی

کوشش کرتے ہیں۔ان لوگوں کو مختصر نشستوں میں فارغ کرنا چاہیے۔اور اُن کو ذمہ داری کا احساس دلا کر ان سے کام کروانا چاہیے۔لیکن ان کے ساتھ زیادہ روکھا پن ان لوگوں کو ذہنی تناؤ (Tension) میں مبتلا کر سکتا ہے۔دوسرے پروفیسروں میں جناب ڈاکٹر مقصود بخاری اور ڈاکٹر اقبال چودھری کے فرمودات قابل ذکر ہیں ۔ڈاکٹر بخاری نے فرمایا کہ تعلیم محض معلومات مہیا کرنے کا نام نہیں۔ بلکہ تعلیم کا مقصد طلباء کو تین چیزیں دینی ہوتی ہیں۔ ایک تو مضمون کے متعلق معلومات ہیں جسکو Knowledge کہتے ہیں۔ دوسرے چیز کو Psychomotor Skill کہتے ہیں۔جس کا مطلب طلباء کو متعلقہ میدان میں ہنر یعنی Skill سکھانا ہے۔اور تیسری چیز کو Affective Domain کہتے ہیں۔جس کا مطلب طلباء کی ایسی ذہنی تربیت کرنا ہے کہ زندگی کے متعلق اُن کی سوچ مثبت ہو جائے۔یعنی اُن کو ایمانداری، خدمت خلق، سچائی، وقت کی پابندی اور صفائی ستھرائی کا درس دیا جائے۔ بخاری صاحب نے نہایت درد کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا کہ آجکل ہمارے تعلیم یافتہ حضرات میں ان اوصاف کی شدید کمی ہے۔اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے ہاں صرف معلومات دیتے ہیں۔نہ متعلقہ مہارت یعنی Skill پیدا کرنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور نہ طلباء کی اصلاح کی فکر کی جاتی ہے جسکی وجہ یہ ہے۔کہ ہمارے ڈاکٹر حضرات عملی تربیت (House Job) کرنے سے پہلے ایک انجکشن تک نہیں لگا سکتے ہمارے انجینئرز بجلی کا ایک بٹن نہیں لگا سکتے اور اسکے علاوہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ تربیت نہ ہونے کے بناء پر اپنی عملی زندگی میں جھوٹ، بے ایمانی اور رشوت خوری کے مرتکب ہوتا ہے۔فرمایا کہ ہمارے ملک کو جتنا نقصان تعلیم یافتہ حضرات نے پہنچایا ہے اتنا بے تعلیموں نے نہیں پہنچایا۔ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے تعلیم کی Definition یعنی تعریف کی ہے لیکن میری نظر میں تعلیم کی سب سے موزوں تعریف یہ ہے کہ تعلیم وہ چیز ہے جو انسان کی سوچ میں مثبت تبدیلی پیدا کرلے۔اور مثبت تبدیلی وہ تبدیلی ہوتی ہے۔جو معاشرے کے لیے مفید ہو۔مثلاً امریکی معاشرہ میں جمہوریت کو بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔لہٰذا اگر ایک امریکی طالب علم جمہوریت کا علمبردار بن جائے تو اُس نے تعلیم حاصل کرلی۔یا تعلیم سے اُس کا مقصد پورا ہوا گیا۔مگر جس طرح کہ ہمیں معلوم ہے۔کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔لہٰذا یہاں تعلیم کا مقصد ایک اچھا مسلمان پیدا کرنا ہے۔ مجھے پاکستان کے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے کہا، کہ خدا کی قسم ہمارے تین سو سائنسدانوں نے دس سال تک ہماری لیبارٹریوں میں باوضو ہو کر ایٹم بم اور میزائل بنانے کا کام کیا ہے تو تب پاکستان ایٹمی طاقت بنا ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کے بغیر مسلمان کا کام نہیں

بنتا۔ ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ سچ ہے کہ امریکہ اور اُس کے حواری پاکستان کے تعلیمی نظام کے درپے ہیں اور وہ ہماری نوجوان نسل کو اخلاقی طور پر تباہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ کچھ بھی کریں۔ لیکن اگر ہم اساتذہ ان کا ساتھ نہ دیں تو یہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اب میں آپ کے سامنے کلاس میں ہوں میری مرضی ہے میں جو آپ کو پڑھاؤں۔ اس لیے امریکہ کورس کو جتنا مرضی چاہے توڑ مروڑ دیں اگر آپ لوگ اپنے کلاسوں میں اپنے طلباء کو اچھے مسلمان بنانے کا درس دیں تو آپ کو کوئی نہیں روک سکتا۔

جناب ڈاکٹر اقبال چودھری نے اپنے لیکچرز میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کے استحصالی طریقوں اور امریکی ہتھکنڈوں کا ذکر کیا۔ کہ امریکہ اور یورپی ممالک مسلمانوں کے خلاف مکمل طور پر متحد ہیں۔ اور یہ لوگ NGO'S اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی صورت میں نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ تیسری دنیا کے تمام ممالک کو پہلے قرض لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ اور جب یہ ممالک قرض کے شکنجے میں اچھی طرح جکڑ جاتے ہیں تو پھر ان پر اپنی شرائط منواتے ہیں۔ جس میں بڑی شرائط ملٹی نیشنل کمپنیوں اور NGO'S کے لئے مراعات لینی ہوتی ہیں۔ اور اسطرح سے یہ لوگ ساری عمر تیسری دنیا کے ممالک کے وسائل کو بے دردی سے لُوٹتے رہتے ہیں۔ ان ہی شرائط میں ایک نصاب تعلیم میں تبدیلی ہوتی ہے۔ تاکہ ایسا نصاب پڑھایا جائے جو لوگوں کو خواہشات نفسانی کی دوڑ میں ڈال کر اُن سے بلند خیالی، غیرت اور نظریہ بُھلا دے، کیونکہ نظریاتی لوگ ہی اس استعماری ایجنڈے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، کمیونزم کے بعد امریکہ اور یورپ، اسلام کو اپنے راستہ میں بڑی رکاوٹ سمجھ رہے ہیں۔ اسی لیے آج ان کا پورا زور ایک طرف نصاب کی تبدیلی پر ہے۔ تو دوسری طرف دینی مدارس کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ فرمایا کہ میں دینی مدارس میں امریکی شہ پر حکومتی اصلاحات کا سخت مخالف ہوں۔ کیونکہ ان کی نیت مدارس میں اصلاحات لانے کی نہیں مدارس کے وجود کو ختم کرنے کی ہے، مدارس میں دہشت گردی کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا، کہ Terrorism (دہشت گردی) Moderate Islam (اعتدال پسند اسلام) اور Enlightened Muslim (روشن خیال مسلمان) یہ اصطلاحات امریکی زبان دانی (Linguistics) کے ماہرین کی وضع کردہ ہیں۔ اور یہ لوگ ان کو میڈیا میں اتنا زیادہ استعمال کرتے ہیں کہ ہم جیسے لوگ بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں مثلاً ۹/۱۱ کے بعد امریکہ نے نعرہ لگایا War on America یعنی امریکہ کے خلاف جنگ۔ حالانکہ یہ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں تھی۔ بلکہ ایک بلڈنگ پر حملہ ہوا تھا۔ امریکہ نے جنگ کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ جنگ میں سب کچھ

جائز ہوجاتا ہے۔امریکہ نے یہ اس لیے کیا کہ اگر افغانستان پر ایٹم بم استعمال کرنا پڑ جائے تو ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم پر جنگ مسلط ہوئی ہے۔لہٰذا ہم نے اس کا جواب دیا ہے۔تو ان لوگوں کی چالیں بڑی گہری ہوتی ہیں۔سو سال کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ہم لوگ اور ہمارے حکمران ان کے معصوم نمائندے ہوتے ہیں۔کچھ ڈر کے مارے ان کا ساتھ دیتے ہیں۔کچھ لالچ میں آکر ان کے ساتھ مل جاتے ہیں ایک صاحب نے سوال کیا کہ آجکل تو دنیا ایک Global Village یعنی ایک عالمی گاؤں بن چکی ہے۔آپ کس اسلام کی باتیں کرتے ہیں۔تو جواب میں فرمایا کہ ہمارا تو ملک ہی Two Nation Theory یعنی دوقومی نظریے اور ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' کے نعرے پر بنا ہے۔ورنہ ہندوستان سے علیٰحدہ ہونے کا کیا مطلب تھا۔جو لوگ پاکستان میں رہتے ہیں۔اور رہنا چاہتے ہیں ۔اُنھیں دو قومی نظریے کو ماننا ہوگا۔ ہماری Ideology یعنی نظریہ ہی لا الہ الا اللہ ہے جو لوگ اسکو برداشت نہیں کرسکتے اُن کے لیے پاکستان میں کوئی جگہ نہیں۔ہم تو یہاں پر خوب اسلام کی بات کریں گے،چاہے کسی کو پسند ہو یا نہ ہو۔

آخر میں کہنے لگے کہ میرے سادہ لوح اساتذہ کرام! امریکی اور یورپی چالوں کو خود بھی سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنے طلباء کو بھی اس سے آگاہ کیا کریں۔

☆☆☆☆☆☆

(صفحہ نمبر ۲۷ سے آگے) حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ برابر نہ ہوں،اگر عورتوں کو آزادی دے دی جائے تو پھر ان کی آزادی کی روک تھام بہت دُشوار ہوگی،جیسا کہ اہلِ یورپ کو دُشواریاں پیش آرہی ہیں۔کیونکہ اول تو آزادی کی روک تھام عقل سے ہوتی ہے،اور عورتوں کی عقل نہیں،ان کا ناقص العقل ہونا مشاہد ہے۔دوسرے طبعی قاعدہ ہے کہ جو قوت ایک زمانے تک بند رہی ہو،جب اُس کو آزادی ملتی ہے تو ایک دَم سے اُبل پڑتی ہے۔جیسے امریکہ والے ایک عرصہ تک جاہل رہے،جب ان کو تعلیم حاصل ہوئی تو ایک دَم سے ایسے اُبل پڑے کہ اپنے اُستاد سے بھی آگے بڑھ گئے۔اس قاعدہ کی بنا پر ہندوستان کی عورتوں کو بلکہ مسلمانوں کی عورتوں کو تو ہرگز آزادی دینا مناسب نہیں،کیونکہ اب تک تو وہ قید میں رہیں،اگر ان کو آزادی مل گئی تو یقیناً ایک دَم اُبل پڑیں گی۔غرض اسلام میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات تو نہیں ہے،مگر حقوق کی اس قدر رعایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ مسابقت کی ہے۔(الحدود والقیود ص:۱۹ تا ۲۳)

(اشرف الجواب)

ایک پروفیسر کا سوال

(محمد الطاف حسین، لیکچرار اسلامیہ کالج، پشاور)

پچھلے دنوں راقم الحروف اپنے دفتر میں چند کالج کے پروفیسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ تو ایک محترم پروفیسر صاحب نے مجھ سے کچھ سوال جواب کرنا چاہا۔ ان کو اسلام کی حقّانیت میں کچھ شکوک وشبہات تھے۔ اور وہ پریشان بھی اس معاملہ میں زیادہ تھے۔ بنیادی وجہ موجودہ مسلمانوں کے پستی کے حالات اور اہلِ باطل کا عروج اور پوری دُنیا پر چھا جانا ہے۔ وہ فرما رہے تھے کہ مسلمان آخر کیوں پِٹ رہے ہیں۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد پھر کیوں نہیں ہے اگر اسلام اور مسلمان حق پر ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کو کافی تردّد ہو رہا تھا۔ بندہ کو عجیب بھی لگا۔ انکے سامنے میں نے جو کچھ اپنے اکابر سے سُنا تھا کہہ دیا۔

اس کا جواب دینے سے پہلے، اسی پروفیسر صاحب نے اسی نشست میں اپنا ایک واقعہ بیان کیا۔ دراصل اس واقعہ کو یہاں لکھنا میں انتہائی اہم اور ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اسی میں ان تمام شکوک وشبہات، تردّد اور سوالات کا جواب موجود ہے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ میں تفریح کے لیے مینگورہ (سوات) گیا ہوا تھا، اور ایک اچھے ہوٹل میں بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا کہ اتنے میں دو غیر مسلم انگریز عورتیں بھی آ کر قریب کی میز پر بیٹھ گئیں۔ ان کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بات چیت کرنا چاہ رہی ہیں۔ مجھے بار بار دیکھا تو میں بات کرنے کے لیے اُن کی میز پر آ گیا۔ بیٹھتے ہی اُن عورتوں نے مجھ سے عجیب سوال کیا Are you jew?، کیا آپ یہودی ہیں؟ میں نے کہا، For God sake , I am a Muslim.، خدا کے لیے میں مسلمان ہوں۔

تو عرض یہ ہے کہ تمام سوالوں کا جواب ہی تو یہ تھا کہ ہم اور آپ مسلمان ہو کر بھی دوسروں کی نظر میں یہودی، عیسائی، ہندو وغیرہ لگ رہے ہیں۔ اور کبھی سوچا بھی نہیں کہ آخر کیوں؟ کیوں ان انگریز عورتوں نے ایک مسلمان کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ آپ یہودی ہیں۔ بات آسان اور عام فہم ہے۔ اپنے آپ کو ذرا دیکھنا چاہیے کہ میں اور آپ جس چیز کا دعویٰ لیے بیٹھے ہیں یعنی مسلمان ہونا، اور اہل اسلام ہونا، کیا واقعی ہم ان جیسے ہیں۔ یعنی اہلِ اسلام (صحابہ کرام رضی اللہ عنھم) کی طرز پر ہیں۔ ہمارا اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، بیاہ شادی، غمی خوشی، کاروبار، ملنا ملانا، تہذیب وتمدن، ثقافت، بودوباش، غرض پوری زندگی اُس ترتیب پر ہے جو حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے شکر وفخر کے ساتھ اپنایا تھا اور اس سے بڑھ کر اس طرزِ زندگی (اتباعِ سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) پر جان دینا اپنے لیے دونوں جہانوں میں کامیابی اور نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اب بھی مسلمان کی کامیابی اور نجات کا واحد ذریعہ، اتباعِ سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسی جذبہ، شوق ومحبت اور فخر کے ساتھ اپنانے، اور اس کے ساتھ چمٹنے میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلبہ وکامیابی اور فتح کا وعدہ اپنے دینِ حق کے ساتھ کیا ہے۔

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ٥ (اٰلِ عمران، آیت ۱۳۹)

ترجمہ: اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (تفسیرِ عثمانی)

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ٥ (بنی اسرآئیل، آیت ۸۱)

ترجمہ: اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ، بے شک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا۔ (تفسیرِ عثمانی)

کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل مٹنے کے لیے ہے۔ سو باطل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروں تلے روند ڈالا ہے۔ اب جب بھی حق آئے گا، جہاں بھی آئے گا اور جس وقت بھی آئے گا اور جس قوم میں بھی آئے گا، وہ غالب ہوں گے، اور باطل خود بخود مٹتا جائے گا۔ اہلِ حق، حق کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوتے، اور اہلِ باطل، باطل کی وجہ سے غالب نہیں آتے۔ ہاں مگر، جب اہلِ حق، حق کو چھوڑ کر باطل کی بُری خصوصیات، جن کی وجہ سے اسے باطل کہا جاتا ہے، اسکو اپناتے ہیں۔ تو یہ نام کے اہلِ حق ہو کر بھی مغلوب ہوں گے، کیونکہ اب اس نے باطل کی خصوصیات کو اپنا لیا۔ اور باطل کے مٹنے کا اعلان خود اللہ جل شانہ نے اوپر والی آیت میں فرما دیا ہے۔ یعنی جھوٹ، فریب، ظلم وتعدی، اہلِ حقوق کے حق کو دبانا، مکر ودغا، فحاشی پھیلانا، وغیرہ سب باطل خصوصیات ہیں۔ اب یہ جس قوم میں بھی آئیں گے، تو ان بُری خصوصیات کی وجہ سے یہ مغلوب ہوں گے۔ چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اہلِ باطل جب غلبہ حاصل کرتے ہیں اور دنیا پر چھا جاتے ہیں تو یہ اپنی باطل خصوصیات کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ رہے ہوتے بلکہ ان اہلِ باطل نے چند ایسی خصوصیات جو اہلِ حق کا طرۂ امتیاز ہوا کرتی ہیں، ان کو بحیثیت مجموعی اپنے معاشرہ میں دنیاوی مفادات حاصل

کرنے کے لئے رواج دیا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی امانتداری، دیانت، جھوٹ سے پرہیز، انتھک محنت، اپنے آپ کو قومی مقاصد کے لیے وقف کرنا، قومی مفادات کو اپنے ذاتی مفادات پر ترجیح دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو اہلِ حق اور دینِ اسلام کی زندہ وتابندہ اور اسلامی معاشرہ کی عام خصوصیات ہیں۔ تو اہلِ باطل ان خوبیوں کی وجہ سے غالب آتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ خوبیاں اسلام کی خوبیاں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی فتح ونصرت کا وعدہ پورے کا پورا دینِ حق کے ساتھ ہے۔ اب جو کوئی بھی اس طرزِ زندگی، جو اسلام کی درخشاں وتابندہ خصوصیات سے مزّین ہے، اپنائے گا، اس کو غلبہ نصیب ہوگا۔ اگر انفرادی طور پر کوئی شخص لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، اور اگر اجتماعی طور پر پوری کی پوری قوم اس کو اپنائے گی تو اس قوم کو فتح وغلبہ نصیب ہوگا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اہلِ حق (مسلمان) دینِ اسلام کو آخرت کی نجات اور اللہ کی رضا وخوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور دنیا کی فتح ونصرت وکامرانی خود بخود اس کے ساتھ ہو ہی جاتی ہے۔ اور اہلِ باطل، اسلامی خصوصیات اور خوبیوں کو اس لیے اپناتے ہیں کہ ان کا اپنے معاشرہ میں ان خصوصیات کے بغیر زندہ رہنا اور کاروبار زندگی کو چلانا ناگزیر ہوتا ہے۔ عارضی غلبہ وکامیابی بھی اس کی وجہ سے ان لوگوں کو مل جاتی ہے، لیکن قبر وآخرت میں ان کے لیے ان خصوصیات کی وجہ سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ نیت صرف ان کی اس دنیا کو حاصل کرنا ہے۔

آخر میں اس تحریر کا خلاصہ لکھ دیتا ہوں کہ سوال کا جواب دو جملے تھے۔ جس پر تفصیل سے بندہ نے بحث کردی۔ اول یہ کی بحیثیت مسلمان ہماری ظاہری وباطنی صورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہونی چاہیئے، یہی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عزت وافتخار اور اللہ جل شانہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ورضا اور قرب کا واحد ذریعہ ہے۔ اور دوسری بات کہ اہلِ باطل غالب آتے ہیں صرف حق (اسلام) کی لازوال خصوصیات کو اپنانے سے، نہ کہ باطل کی بُری ترتیبوں سے۔ اور اہلِ حق (مسلمان) اگر مغلوب ہوتے ہیں، تو اسلام کی خصوصیات کو چھوڑ کر اہلِ باطل کی طرزِ زندگی اور بُری عادات کو اپنانے سے۔ مجھے اور آپ کو اب غور کرنا ہوگا، کہ ہم کس طرزِ زندگی پر ہیں اور اس کا نتیجہ کیا نکلنا ہے۔ کیونکہ دنیا وآخرت کی کامیابی کی کلید بندہ نے واضح طور پر عرض کردی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ابنِ عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر یعنی موت کے لیے ہر وقت مستعد رہ، اور اپنی تندرستی میں اپنی بیماری کے لیے اور اپنی زندگی میں موت کے لیے سامان رکھ۔ (نزھة البساتین)

ذہنی اور جسمانی بیماریاں اور اُن کا شرعی حل

(ڈاکٹر فہیم صاحب، میڈیکل سپیشلسٹ، ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال، کوہاٹ)

بعض بیماریاں اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہیں۔ عام دِینی معلومات نہ ہونا تو عام ہے ہی لیکن بعض معلومات تو مسلمان کی زندگی سے منسلک ہوتی ہیں۔ جن کے بغیر ہماری زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ میرے پاس ایک آدمی ہسپتال آیا جو بہت ہی پریشان دکھائی دیتا تھا۔ میں نے اُس سے پریشانی کی وجہ پوچھی جو اُس نے یوں بیان کی:

"پچھلے ۲ سال سے اپنی بیماری کی تشخیص کے لئے پریشان ہوں۔ میرے پیٹ کے نچلے حصّہ میں درد ہوتا ہے، پیشاب جل کر آتا ہے۔ پیشاب کی جگہ ہر وقت درد محسوس کرتا ہوں۔ رگیں ایسی محسوس ہوتی ہیں جیسے پھٹ جائیں گی۔ میری ۲ بیویاں اور ۷ بچے ہیں، میری عمر ۳۶ سال ہے۔ اپنے بڑے بیٹے کی شادی کر چکا ہوں۔ میرے اس درد کی وجہ سے میرے کاروبار میں بھی نقصان ہو رہا ہے۔ یہ ساری رپورٹیں ہیں، یہ ٹیسٹ ہیں اور یہ ڈاکٹر صاحبان کے نسخے ہیں۔"

اپنی عادت کے مطابق میں نے اس کا تفصیلی معائنہ کیا۔ بعد میں اس کے کاغذات دیکھے۔ ظاہراً تندرست، اچھی شکل، ڈاڑھی چھوٹی، جسمانی لحاظ سے کسی بیماری کے اثرات نہیں تھے۔ اس کے تمام ٹیسٹ صاف تھے۔ چھوٹے پیشاب کے ٹیسٹ، پیٹ کے نچلے حصّہ کا الٹرا ساؤنڈ کسی بیماری کی شناخت نہ کر سکے۔ باہر باقی مریضوں کی رَش کی وجہ سے، ذہنی دباؤ کو کم کرنے والی ادویات دے کر رُخصت کیا اور نسخے میں کسی درد کی گولی کا اضافہ نہیں کیا تاکہ ایک ماہ بعد دوبارہ معائنہ پر مجھے پتہ چل سکے کہ اس کی یہ بیماری ذہنی ہے یا کہ جسمانی۔ وہ دوائی لے کر رُخصت ہو گیا۔ اس دوران میں نے اُس کو تسلی دی کہ انشاء اللہ دوباہ آنے تک کچھ نہ کچھ افاقہ ضرور ہوگا اور یہ بیماری آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی۔

ایک ماہ بعد دوبارہ آیا تو کہنے لگا کہ ایک روپے میں آٹھ آنے مجھے فائدہ ہوا ہے۔ درد اب نہیں ہوتا لیکن باقی علامات کچھ نہ کچھ باقی ہیں۔ کمزوری ہے۔ مجھے بعض اوقات یہ پتہ نہیں چلتا کہ عورت ہوں یا کہ مرد۔ میں نے اُسے چند مثالیں دے کر اُس سے ذاتی اور زندگی کے متعلق سوالات کیئے۔ بیویوں کے حقوق، بچوں کے حقوق، ماں باپ کے متعلق مختصر سوالات کے جوابات نفی میں پا کر اُس کی ذاتی زندگی کے متعلق پوچھا کہ آیا بیویوں میں برابری صحیح ہوتی ہے یا نہیں۔ کسی کے بچے سے زیادہ پیار، کسی کی طرف داری زیادہ، کسی

کے لئے سودا لانے میں جلدی، کسی کی امّی ابّو کا زیادہ خیال وغیرہ۔ وہ میری بات سمجھ گیا اور کہنے لگا.....ان ساری باتوں میں مجھے اتنی واقفیت تو نہیں ہے البتہ کچھ نہ کچھ احتیاط کرتا ہوں۔ میری چھوٹی عمر میں شادی ہوئی ہے۔ کوئی گناہ شاید کیا ہو۔ البتہ آپ کی تمام باتوں کی وجہ سے میرا اس طرف دھیان گیا ہے کہ میں اپنے گھر والیوں سے دورانِ حیض بھی ملتا ہوں اور یہ عادت کافی عرصہ سے تھی۔ لیکن پچھلے ۲ سالوں سے اپنی بیماری کی وجہ سے عام دِنوں میں بھی اس طرف دھیان نہیں جاتا۔

میں نے اُس سے کہا کہ میں کوئی پیر فقیر نہیں ہوں لیکن بعض باتیں اپنے بزرگوں سے سُنی ہیں کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ مسلمان کو اپنے عمل کہ وجہ سے بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے کہ شاید بندہ اس بُرے عمل سے توبہ کر لے۔ آپ کی یہ بیماری شاید اسی وجہ سے ہے۔ ایک تو آپ اس عمل سے توبہ کریں، دوسرا کسی اچھے مفتی صاحب سے اس کا کفارہ پوچھیں۔ توبہ اور کفارہ انشاءاللہ آپ کی اس بیماری کو رفع کر دے گا، آپ اطمینان رکھیں اور اس دوائی کو جاری رکھیں۔ پھر ۲ ماہ بعد دوبارہ میرے پاس تشریف لائیں۔ جاتے وقت وہ کافی مطمئن تھا۔ اُس کو تو رُخصت کر دیا لیکن وہ جاتے وقت میرے اندر کچھ سوالات پیدا کر گیا۔

۱) کیا اُس کی بیماری واقعی اس وجہ سے تھی جو کہ بیان ہوئی؟

۲) کیا میں نے اُس کو جواب صحیح دیا یعنی شریعت کے مطابق تھا؟

۳) کیا صرف توبہ سے ہی اللہ تعالیٰ معاف نہ کر دیتا؟

۴) کیا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے؟

۵) اگر اپنے گھر والیوں سے دوران حیض ملنے کی عادت ہو تو شریعت نے کوئی سزا مقرر کی ہے؟

جوابات: **(از ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ)**

۱) یقیناً ظاہری مشکلات کی بنیاد اعمال کی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

۲) آپ کا جواب ٹھیک تھا۔

۳، ۴ و ۵) توبہ سے معافی ہو جاتی ہے لیکن بعض گناہوں کا کفارہ بھی ہوتا ہے۔ جس گناہ کا آپ نے تذکرہ کیا فتاویٰ دیوبند میں اُس کا کفارہ آدھا تولہ سونا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اعلان: انشاءاللہ اگلا ماہانہ اجتماع مورخہ ۲۷ مئی ۲۰۰۶ء (27-05-2006) کو بروز ہفتہ ہوگا۔

تشبہ بالکفار مذہبی کاموں میں حرام ہے!

(حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

میں ایجاداتِ یورپ سے انتفاع کو منع نہیں کرتا، ہاں! تشبہ اور کورانہ تقلید سے منع کرتا ہوں، اور تشبہ بالکفار جو شریعت میں حرام ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تشبہ بالکفار اُمورِ مذہبیہ میں تو حرام ہے، اور شعارِ قومی میں مکروہ تحریمی ہے، باقی ایجادات وانتظامات میں جائز ہے۔ وہ درحقیقت تشبہ ہی نہیں، بعض لوگ ان احکام کو شریعت سے خارج سمجھتے ہیں، اس لئے میں نے اس مضمون کو بیان کر دیا کہ شعارِ قومی میں بھی تشبہ حرام ہے۔ گو اوّل کے درجے میں نہ ہو، مگر پیشاب و پاخانہ میں فرق ہونے سے کوئی پیشاب پینا گوارا کر لے گا؟ ہرگز نہیں! بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کوٹ پتلون پہن کر ٹوپی تو اسلامی پہن لی ہے، اب یہ تشبہ کہاں رہا؟ میں کہتا ہوں کہ تشبہ کامل نہ سہی، ناقص تو ہوا۔ اگر آپ ایسا کر سکیں کہ سارا لباس زنانہ پہن کر اُوپر سے مردانہ ٹوپی پہن لیں اور اسی حلیہ سے محفل میں جاسکیں تو ہم آپ کو اسلامی ٹوپی اور کفری پائجامہ کی بھی اجازت دے دیں گے۔

مشتبہ صورت:

صاحبو! مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے۔ ہمارے یہاں ایک طالب کنویں کے پاس پائجامہ دھو رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ پائجامہ پاک ہے یا ناپاک؟ کہا: مشتبہ ہے۔ میں نے پھر کہا: پھر تم اس کو کنویں کے پاس دھوتے ہو، اور یہی ہاتھ ڈول اور رسی کو لگاتے ہو، جس سے سارا کنواں مشتبہ ہو جائے گا۔ تم خانقاہ سے نکلو، ہدایہ پڑھ کر بھی پاکی ناپاکی کا خیال نہیں؟ کہنے لگے: مجھے عقل نہیں! میں نے کہا: اس جواب سے جُرم کی تو نفی ہوگئی مگر ضرورتِ اخراج کی نفی نہیں ہوئی، کیونکہ اخراج کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جُرم ہی پر اخراج ہو، بلکہ کم عقلی بھی موجبِ اخراج ہے۔ غرض ان کو خانقاہ سے نکال دیا گیا، تو آپ نے دیکھا کہ مشتبہ پائجامہ کو ناپاک ہی کا حکم دیا گیا۔ جیسے ناپاک کپڑوں کا دھونا کنویں کے پاس جُرم ہے، ایسے ہی مشتبہ کپڑے کا دھونا بھی جُرم ہے۔ اس طرح آپ اس کو بھی سمجھ لیجیے کہ اسلامی ٹوپی اور کفری پائجامہ سے گو آپ بالکل ناپاک نہ ہوں گے، مگر ہو جائیں گے، اور اسلام نے مشتبہ صورت بھی منع کیا ہے۔

صاحبو! کیا حیرت نہیں ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق ہو کہ وہ جرمنی وردی کو جُرم قرار دے دے، کیونکہ وہ برطانیہ کا دُشمن ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُشمنانِ خدا کی وضع کو جُرم

قرار دیں، مگر اسلام میں تعصب نہیں۔ چنانچہ تشبہ بالکفار کے مسئلہ میں شریعت نے تفصیل کی ہے کہ جو چیز کفار ہی کے پاس ہو، اور مسلمانوں کے یہاں اس کا بدل نہ ہو، اور وہ شے کفار کی شعار قومی یا اَمر مذہبی نہ ہو، تو اس کا اختیار کرنا جائز ہے۔ جیسے بندوق، توپ، ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ۔ چنانچہ ایک بزرگ نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں بندوق ہے، اور آپ ﷺ اس کی طرف اِشارہ فرما رہے ہیں: ''نِعم السّلاح'' کہ یہ اچھا ہتھیار ہے۔ میں اس خواب سے استدلال نہیں کرتا صرف تائیداً بیان کر دیا، ورنہ اصل استدلال قواعد فقہیہ پر ہے۔ اس قاعدہ کی بنا پر نہ ہم ایجادات سے منع کرتے ہیں اور نہ ایجاداتِ یورپ کے استعمال سے منع کرتے ہیں۔ گو اسلام میں ایجادات کی تعلیم بھی نہیں ہے اور یہ اسلام کا کمال ہے کہ اس میں صرف مقاصد کی تعلیم ہے، غیر مقاصد کی تعلیم نہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے 'بی اے' کے اسکول میں جُوتا بنانے کی تعلیم نہیں ہوتی، اور یہ اس کے لئے نقص نہیں بلکہ کمال ہے۔ اگر اسکول میں 'بی اے' کے ساتھ جُوتا سینے اور پاخانہ کمانے کی بھی تعلیم دی جاتی ہو تو یہ اس کے لئے نقص ہوگا، کمال نہ ہوگا۔

اسلام کی تعلیم:

حکیم محمود خاں کا یہ کمال تھا کہ وہ جُوتا بنانے کی ترکیب نہیں سکھلاتے تھے۔ ہاں! یہ بتلاتے تھے کہ جُوتا اس طرح مت سلواؤ کہ اس کی میخیں اُبھری ہوئی ہوں، جس سے پَیر زخمی ہو جائے۔ اِسی طرح اسلام ایجادات نہیں سکھلاتا، ہاں! یہ سکھلاتا ہے کہ کسی ایجاد کو اس طرح نہ اختیار کرو جس سے دِین میں خلل ہو، یا جان کا خطرہ ہو۔ اِسی طرح یہ بتلاتا ہے کہ بے ضرورت ایجادات کے درپے ہو کر ضروری کاموں کو ضائع نہ کرو، اور ضروری ایجادات میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ موہوم منفعت کے لئے خطرۂ قویہ کا تحمل نہ کرو۔

غرض اُصول تو ہر ایجاد کے متعلق بتلا دیئے ہیں، مگر ان کی ترتیب نہیں بتلائی کیونکہ یہ مقصود اسلام سے الگ ہے، اور کمال اسی کا نام ہے کہ مقصود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ تو ان ایجادات کا حکم تھا جن کا بدل مسلمانوں کے یہاں نہیں ہے، اور جو ایجاد ایسی ہو جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہے، اس میں تشبہ مکروہ ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان سے منع فرمایا ہے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عرب کمان موجود تھی، اور دونوں کی منفعت برابر تھی، صرف ساخت کا فرق تھا۔

غرض اسلام میں تعصب نہیں جیسا کہ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہوگا، ہاں! اسلام میں غیرت ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے پاس بھی ہے، اور کفار کے پاس بھی ہے، صرف وضع قطع کا فرق ہے، اس میں اسلام

نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی بھی تو ہے کہ بلاوجہ اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج ظاہر کیا جائے۔ مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہو کر بلکہ یوں کہیے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر، دوسروں کی عادات و معاشرت کا اِتباع کرنے لگے۔ بس اس کی مثال ایسی ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں:

یك سید پر نان ترا بر فرق سر
تو همی جوئی لب نان در بدر
تا بزانوئے میان قعر آب
و زعطش وز جوع کشتی خراب

ترجمہ: روٹیوں سے بھرا ٹوکرا سر پر ہے اور تو در بہ در ایک ایک ٹکڑا روٹی مانگ رہا ہے۔ گھٹنوں تک گہرے پانی میں ہے اور پیاس اور بھوک سے خراب ہوا جا رہا ہے۔

بے پردگی:

چنانچہ آج کل بے پردگی میں بھی مسلمان یورپ کی تقلید کرنے لگے ہیں، حالانکہ یورپ والے عورتوں کی آزادی سے بہت گھبرا گئے ہیں۔ اِسی طرح بعض لوگ عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات دینا چاہتے ہیں۔ یہ سبق بھی یورپ ہی سے سیکھا ہے، اور یورپ والے اس سے گھبرا گئے ہیں، کیونکہ عورتوں نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اہلِ یورپ کو عورتوں نے پریشان کر رکھا ہے۔

صاحبو! اسلام کی تعلیم کی قدر کرو، اسلام کی تعلیم کی قدر کرو!! اسلام کی تعلیم یہ ہے:

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ

ترجمہ: ”یعنی حقوق میں تو عورتیں مردوں کے مساوی ہیں، مگر درجہ میں مرد بڑھے ہوئے ہیں“

جس کو دوسرے مقام پر صاف طور پر بیان فرمایا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

کہ مرد عورتوں پر سردار ہیں، کیونکہ خدا نے اُن کو فضیلت دی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی امام نہیں بن سکتیں، نہ ان پر حکومت کر سکتی ہیں۔ (وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ) کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: (وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ) کہ اللہ زبردست ہیں، اگر وہ چاہتے تو مرد و عورت دونوں کو برابر کر دیتے، مگر وہ حکیم بھی ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۹ پر)

اقبالیات

(مرتبہ: سرفراز خان مروت، لائبریرین، پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی)

(انتخاب از روزگارِ فقیر جلد اوّل از فقیر سید وحید الدین)

اعجاز قرآن کریم:- ایک مرتبہ فارمین کرسچن (FC) کالج لاہور کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے مجھے اس میں دعوت شرکت دی۔ اجلاس کا پروگرام ختم ہونے کے بعد چائے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ہم لوگ چائے پینے بیٹھے تو ڈاکٹر لوکس میرے پاس آئے اور کہنے لگے چائے پی کے چلے نہ جانا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ ہم لوگ چائے پی چکے۔ تو ڈاکٹر لوکس آئے۔ اور مجھے اپنے ساتھ ایک گوشے میں لے گئے۔ اور کہنے لگے اقبال مجھے بتاؤ کہ تمہارے پیغمبر پر قرآن کریم کا مفہوم نازل ہوا تھا۔ اور چونکہ انہیں صرف عربی زبان آتی تھی۔ انہوں نے قرآن کریم عربی میں منتقل کردیا۔ یا یہ عبارت ہی اس طرح اتری تھی۔ میں نے کہا یہ عبارت ہی اتری تھی۔ ڈاکٹر لوکس نے حیران ہو کر کہا کہ اقبال تم جیسا پڑھا لکھا آدمی اس بات پر یقین کرتا ہے کہ یہ عبارت ہی اس طرح اتری ہے میں نے کہا!

''ڈاکٹر لوکس یقین کرو میرا تجربہ ہے مجھ پر شعر پورا اترتا ہے۔ تو پیغمبر پر عبارت پوری کیوں نہیں اتری ہوگی۔''

الہامی کتاب:- مشہور جرمن شاعر گوئٹے کے متعلق ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ جب اس نے جرمن زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا تو اس نے اپنے بعض دوستوں سے کہا کہ میں یہ کتاب پڑھتا ہوں۔ تو میری روح میری جسم میں کانپنے لگتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شاعر کو بھی ایک قسم کا الہام ہوتا ہے۔ اس لئے جب وہ کوئی الہامی کتاب پڑھتا ہے۔ تو اپنی روح کو اس کی معنویت سے ہم آہنگ پاتا ہے۔ اور اس کی طبیعت ایک خاص اہتزاز (فرحت وخوشی) محسوس کرتی ہے۔ یہ چیز دوسرے لوگوں کو نصیب نہیں ہوسکتی۔

مسولینی سے ملاقات:- ڈاکٹر محمد اقبال سپین کے سفر میں اٹلی بھی گئے تھے۔ اور وہاں انھیں مسولینی (اٹلی کا فرمانروا) سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا۔ یہ ساری کیفیت میں نے خود ان کی زبانی سنی ہے۔ انہوں نے خود مسولینی سے ملنے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی۔ بلکہ جن دنوں وہ روما میں مقیم تھے۔ مسولینی نے اپنے سٹاف کے آدمی کے ذریعے انہیں کہلا بھیجا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے دعوت قبول کرلی۔ اور مسولینی سے ملنے تشریف لے گئے۔ وہ ایک بڑے وسیع کمرے میں میز کے قریب بیٹھا تھا۔ میز پر کاغذوں کا انبار تھا۔ ڈاکٹر صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو وہ پیشوائی (استقبال) کے لئے بڑھا۔ اس کا قد زیادہ اونچا نہیں تھا۔ لیکن

بازو بھرے ہوئے تھے۔ سینہ کشادہ اور آنکھیں شِکرے کی آنکھوں کی طرح چمکیلی تھیں۔ رسمی مزاج پرسی کے بعد اس نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا میری فاشسٹ تحریک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے جواب دیا آپ نے ''ڈسپلن'' کے اُس اصول کا بڑا حصہ اپنا لیا ہے۔ جسے اسلام انسانی نظام حیات کے لئے بہت ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن اگر آپ اسلام کے نظریہ حیات کو پوری طرح اپنا لیں۔ تو سارا یورپ آپ کے تابع ہوگا۔ لیکن یہ ایسی بات نہیں تھی۔ کہ مسولینی کے ذہن میں آسانی سے آجاتی۔ ڈاکٹر صاحب نے مسولینی کو یہ مشورہ بھی دیا۔

"TURN YOUR BACK TOWARDS EUROPE"

(یعنی یہ کہ یورپ جس معاشرہ کی ترقی کا داعی ہے تم اس کی تقلید سے اجتناب کرو)

مسولینی نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا کہ میں دنیا کے مسلمانوں کی ہمدردیاں کس طرح حاصل کرسکتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا مفت تعلیم اور رہائش کا انتظام کرکے زیادہ سے زیادہ مسلمان طلباء کو اٹلی بلائیے۔

مسولینی نے ڈاکٹر صاحب سے کوئی اَچھوتا مشورہ بھی طلب کیا۔ انہوں نے کہا ''ہر شہر کی آبادی مقرر کرکے اسے حد سے نہ بڑھنے دو اس سے زیادہ بسنے والوں کو نئی بستیاں مہیا کی جائیں'' مسولینی نے حیران ہوکر کہا اس میں کیا مصلحت ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے کہا یہ میرا ذاتی نظریہ نہیں ہے بلکہ میرے پیغمبر نے آج سے تیرہ سو سال قبل یہ مصلحت آمیز ہدایت فرمائی تھی۔ کہ جب مدینہ منورہ کی آبادی ایک حد سے تجاوز کرجائے تو مزید لوگوں کو آباد ہونے کی بجائے دوسرا شہر آباد کیا جائے۔ یہ حدیث سنتے ہی مسولینی کرسی سے کھڑا ہوگیا اور دونوں ہاتھ میز پر زور سے مار کر کہا **WHAT AN EXCELLENT IDEA** یعنی کتنا حسین تخیل ہے۔ (تحقیق کے طالب حضرات اس نکتہ پر غور و تجسس کرسکتے ہیں کہ ایٹمی توانائی اور جنگی تباہی کے اس ہولناک دور میں یہ نظریہ کس قدر مصلحت اور افادیت لئے ہوئے ہے۔) (ایک شہر میں سارا کاروبار اکثر آبادی اور انڈسٹری جمع ہو جائے تو آنِ واحد میں تباہ کی جاسکتی ہے۔ ادارہ)

عورت کی ذمہ واری :- ایک مرتبہ کہنے لگے کہ جس قوم نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی وہ کبھی نہ کبھی ضرور اپنی غلطی پر پشیمان ہوئی ہے۔ عورت پر قدرت نے اتنی اہم ذمہ داریاں عائد کررکھی ہیں۔ کہ اگر وہ

ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے۔تو اسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔اگر اسے اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کے ایسے کاموں پر لگایا جائے جنہیں مرد انجام دے سکتا ہے۔تو یہ طریق کار یقیناً غلط ہوگا۔مثلاً عورت کو جس کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت ہے ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرہ کو درہم و برہم کرنے کی افسوس ناک کوشش ہے۔

مذہب وسیاست :-اسلام میں ''مذہب وسیاست'' کی کیا حیثیت ہے۔یہ دونوں لازم وملزوم ہیں اوران کی واحد حیثیت ہے یا جداگانہ؟ یہ سوال میں نے ڈاکٹر صاحب سے بطور خاص کیا۔کیونکہ ان دنوں بعض مغرب زدہ طبقوں کی جانب سے یہ شوشہ چھوڑا گیا تھا بلکہ باقاعدہ ایک تحریک چل رہی تھی۔کہ سیاست اور مذہب دونوں کا جدا جدا معاملہ ہے۔ان کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ڈاکٹر صاحب نے میرے اس استفسار پر ایک لمحہ کے لئے بھی توقف نہیں فرمایا۔جیسے وہ اس مسئلہ پر بہت کچھ غور وخوص کر چکے ہیں۔اوران کا فیصلہ ایک سوچے اور سمجھے دماغ کا فیصلہ ہے۔انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا---- ''ایک''۔

پتھر :- ایک بار محفل میں اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کے ان کارناموں کا ذکر چل پڑا جن سے مسلمانوں کی غیر معمولی شجاعت بے جگری اور بے مثال سرفروشی کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے اس گفتگو میں حصہ لیا وہ بولے:-مسلمان ایک ایسا پتھر ہے کہ جس پر گرتا ہے اسے پاش پاش کرتا ہے۔اور جو اس پر گرتا ہے پاش پاش ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے مرد مومن کی اس شان کو,,اَشِدَّ اءُ عَلَی الْکُفَّار،،کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔جس کی ترجمانی علامہ اقبال نے ان لفظوں میں کی ہے۔

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائے وہ طوفان

مگر مرد مومن کی دوسری شان'' رُحَمَاءُ بَیْنَہُمْ '' بھی ہے۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

(ایسا ہی ڈاکٹر صاحب کا دوسرا شعر ہے:

ہو محفلِ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزمِ حق وباطل ہو تو فولاد ہے مؤمن ادارہ)

(باقی آئندہ)

آؤ اپنے گناھوں پر ندامت کے آنسو بہائیں

(نبیلہ اسماعیل، طالبہ سال دوم ایم بی بی ایس، کبیر میڈیکل کالج، پشاور)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کا ذرہ ذرہ دلکش و حسین بنا کر انسان پر احسانات کی بارش برسا رکھی ہے۔ اس دنیا میں کروڑوں انسان آئے اور چلے گئے اور آنے جانے کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہر انسان اپنی زندگی میں کائنات کی تخلیق پر غور کر کے حیرت زدہ ضرور ہی ہوا ہوگا۔ انسانی عقل کائنات کے نظم و ضبط سے انکار کر ہی نہیں سکتی۔ اگر انسان کائنات پر کچھ لمحے غور کرے تو خدا کی عظمت اور خدا کی خدائی کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہے گا۔ کیا ایسا نہیں؟ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی شان کا مظہر نہیں تو اور کیا ہے؟

اپنی ذات و شخصیت، صورت و سیرت پر اگر غور کیا جائے تو ہر شخص دوسرے سے جدا ہے۔ انسان کتنی عجیب مخلوق ہے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہوئے بھی انسان ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ اگر پھولوں کو دیکھیں اور غور کریں تو کتنے حسین و دلکش ہیں۔ ان کی خوشبوؤں سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اگر تخلیق اس قدر حسین ہے تو خالق کس قدر حسین ہوگا۔

اللہ تعالیٰ انسان سے بہت محبت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اُس کے لئے کائنات کو ترتیب دیا اور اُس کو سمجھنے کی قوت دی اور ثابت کر دیا کہ وہ انسان سے محبت کرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ انسان سے ستّر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

سورۃ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی نعمتیں اور احسانات گنوا کر انسان کو بیدار کیا ہے۔ اِس مبارک سورۃ میں بار بار ارشاد ہوتا ہے کہ ''تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔'' یہ احسانات اِس لئے یاد دلائے تا کہ انسان کو اپنا حال معلام ہو جائے اور شرم آئے اور شکر ادا کرے اور اطاعت کی طرف مائل ہو اور یہ جان لے کہ اللہ کی بے شمار نعمتیں اس پر ہیں اور وہ کتنا ہی شکر ادا کرے کم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان یعنی ہم اس کی نعمتیں جھٹلاتے چلے آ رہے ہیں۔ اور شعور رکھنے کے

باوجود بے شعوری والے کام کر رہے ہیں۔ جہالت کے اندھیروں میں اب بھی بھٹک رہے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہے کہ ہمیں اندھیروں سے نفرت دلا کر روشنیوں کی طرف پلٹ جانے پر مجبور کر رہی ہے۔اور ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کا جواب اللہ تعالیٰ کی سی محبت میں تو دے ہی نہیں سکتے مگر ہاں البتہ ناکام کوشش ضرور کر سکتے ہیں۔

اگر ہم ایک دن، صرف ایک دن یہ عہد کرلیں کہ آج اللہ سے محبت کا عملی مظاہرہ پیش کریں گے، ہر کام معیاری کریں گے جس اللہ تعالیٰ خوش ہو تو میں یقین دلاتی ہوں کہ اُس دن زندگی کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر صدقِ دل سے اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہائیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل کرلے اور دنیا و آخرت میں سرخرو فرما دے۔یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔زندگی کا یہ سفر کسی بھی لمحے اپنے اختتام کو پہنچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے نیکی کی ھدایت فرمائے۔آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حجابِ نورانی اور حجابِ ظلمانی: ایک صاحب جو پہلے کسی دوسرے شیخ کی تربیت میں تھے اور بہت شدید مجاہدات کی وجہ سے مثل مجنون کے ہو گئے تھے۔حضرت اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت نے ان کے حالات سننے کے بعد ان کے لیے مناسبِ حال دستور العمل تجویز فرما دیا۔وہ ایک روز کہنے لگے کہ میرے لطائف پہلے تاروں کی طرح چمکتے تھے اب یہ بات نہیں رہی آپ انہیں چمکا دیجئے۔حضرتؒ نے فرمایا کہ ضابطہ کا جواب تو یہ ہے کہ میرے لطائف خود نہیں چمکتے، میں تمہارے کیسے چمکا دوں۔پھر فرمایا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی چیزیں اس طریق میں رہزنی ہے۔جن کو لوگوں نے اس طریق کا مقصود بنا لیا ہے۔ہاں اگر کوئی شیخِ کامل کسی کے لیے تجویز کرے تو میں اس کا انکار نہیں کرتا کہ یہ بھی مفید ہو سکتا ہے مگر جس شخص کے لیے اس کی مضرت ظاہر ہونے لگے شیخِ کامل کا فرض ہے کہ اس کو چھڑا دے(جیسے اس بیچارے کی صحت اس غیر ضروری مشق میں ضائع ہو چکی تھی) کیونکہ یہ چیزیں بھی حجاب ہیں، مگر حجابِ نورانی۔حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے تھے حجابِ نورانی بہ نسبت حجابِ ظلمانی کے اشد ہوتے ہیں کیونکہ حجابِ نورانی میں میلان اور کشش ہوتی ہے لوگ معتقد ہونے لگتے ہیں جو اس کے لیے رہزنِ طریق بن جاتے ہیں۔ (اشرف اللطائف)